از علامہ محمد زاہد الکوثریؒ (م ۱۳۷۱ھ)

جمع و تدوین قرآن

ترجمہ و تلخیص: سید محبوب علی شاہ

یہ مضمون علامہ شیخ محمد زاہد الکوثریؒ کے مجموعہ مضامین "مقالات الکوثری" کے پہلے مقالہ کا ملخص ترجمہ ہے۔ علامہ موصوف نے اس مقالہ میں تدوین قرآن کے تاریخی پس منظر پر تحقیقی بحث کی ہے۔ (مترجم)

تاریخ عالم میں کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس نے کسی کتاب کی طرف اس قدر توجہ دی ہو جتنی آغاز اسلام سے لے کر الی ماشاء اللہ امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الف الف تحیۃ) نے قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے اور اس کی تدوین کے ذریعہ دی۔ اور اس طرح خود اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورۃ الحجر آیت ۹): ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں (ترجمہ شیخ الہندؒ)

یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ یوم نزول سے ہی امت نے اسے محفوظ کرنا شروع کر دیا اور پھر ہر دور میں مسلسل اس کی حفاظت ہوتی رہی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی آپؐ فوراً اس کی حفاظت کا پورا پورا اہتمام فرماتے۔ قرآن مجید کو حفظ کرنے کی حوصلہ افزائی میں آپؐ کا فرمان: خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے)۔ نیز اس کے ہم معنی بیسیوں احادیث بیّن ثبوت ہیں۔ اور قرآن پاک کا بالاقساط نازل ہونا بھی صحابہ کرام کے لئے اسے حفظ کرنے اور اس کے احکام جاننے کے لئے سہولت کا باعث تھا، اسی طرف قول باری تعالیٰ میں اشارہ ہے: "وقرآناً فرقناہ لتقرأہ علی الناس علی مکث ونزلناہ تنزیلاً۔" (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۰۶): اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے کہ پڑھے

تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارا (ترجمہ شیخ الہندؒ)

آپؐ کے کاتبین وحی کی تعداد چالیس سے بھی اوپر تھی۔ یہ کاتبین وحی نازل شدہ آیات کو فوری طور پر صحابہ کرام کی موجودگی میں لکھ لیتے۔ خود صحابہؓ بھی حسب استطاعت مستعدی سے اس وحی کو لکھ لیتے یا کسی سے لکھوا لیتے اور اسے ازبر کرنے کے لئے نزول کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صبح و شام تلاوت کرتے رہتے۔

کتاب اللہ کی حفظ و کتابت و تلاوت کے اس عظیم اہتمام کو دیکھ کر کفار کو یہ کہنا پڑا: "وقال الّذین کفروا إن ھذا إلّا إفکٌ افتراہ وأعانہ علیہ قومٌ آخرون فقد جاءو ظلماً وزوراً وقالوا أساطیر الأوّلین اکتتبھا فھی تملٰی علیہ بکرۃً وأصیلاً۔" (سورۃ الفرقان آیت ۵): اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں ہے یہ مگر طوفان باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے سو آ گئے بے انصافی اور جھوٹ پر اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جو کہ اس نے لکھ رکھا ہے سو وہ ہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے پاس صبح اور شام۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

نادار اور بے گھر صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت، مسجد نبوی کے صُفّہ میں رہتے اور آپس میں کتاب اللہ پڑھتے پڑھاتے اور اس کے احکام سیکھنے کی کوشش کرتے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن پاک کے حفظ کرنے اور اسے پڑھنے پڑھانے کی ترغیب دیتے۔ چنانچہ مسجد نبوی ان کی قرآن خوانی سے ہر وقت گونجتی رہتی تھی اور انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی "واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشیّ یریدون وجھہ۔" (سورۃ الکہف آیت ۲۸) اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، طالب ہیں اس کے منہ کے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

ہجرت سے قبل ہی مدینہ منورہ میں دارالقراء موجود تھا۔ جہاں قرآن پڑھنے والے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کو قرآن مجید سکھانے کے لئے سے پہلے بھیجا تھا، آ کر ٹھہرا کرتے ایک طرف تو نبی علیہ السلام نے چند قرآن کے عالم صحابہ کو حکم دیا تھا جمہور مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔ دوسری طرف آپؐ تمام مسلمانوں کو قرآن کے سیکھنے کا حکم دیتے چنانچہ مدینہ منورہ قراء (علماء قرآن) سے بھر گیا تھا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان علماء قرآن میں سے مختلف جماعتوں کو قرآن اور تفقہ فی القرآن کی تعلیم دینے کے لئے مختلف مسلم علاقوں میں بھیجتے۔ سیر کی تفصیلی کتابوں نیز صحابہ کے تذکروں میں ان کے نام موجود ہیں۔ ان علماء قرآن میں سے صرف بئر معونہ میں دھوکہ سے شہید کئے جانے والوں کی تعداد ستر تھی (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ایک وفد کی استدعا پر قرآن سکھانے کے لئے بھیجا تھا) اس بدعہدی اور دھوکے سے ان کے شہید کئے جانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا اور آپؐ فجر کی نماز میں ایک ماہ تک قبائل رعل، ذکوان اور عُصَیّہ پر بددعا فرماتے رہے۔

اس واقعہ کے بعد صحابہ کرام میں قرآن کو حفظ کرنے کا اہتمام اور بڑھ گیا۔ طریق کار یہ ہوتا کہ وہ مختلف لوگوں کو مختلف حصّے یاد کراتے تاکہ حافظوں کی تعداد بڑھ جائے ان میں سے بعض کو پورا قرآن یاد ہوتا بعض کو مختلف سورتیں۔ پھر وہ اپنا یاد کیا ہوا حصّہ دوسروں کو یاد کراتا۔ الغرض قرآن پاک کے مختلف حصّے مختلف جماعتوں میں بٹ جاتے تھے۔

قرآن مجید کی کثرت تلاوت و سماعت کا یہ اثر تھا کہ جسے قرآن مجید حفظ نہ ہوتا وہ بھی قرآن پڑھنے والوں کی بھول چوک اور غلطی کو فوراً محسوس کر لیتا۔ ان میں بعض ایسے صحابہ تھے جو جہری نمازوں میں، بالخصوص فجر کی نماز میں "السبع الطوال"[1] کی قرأت کرتے تھے یہی نہیں بلکہ صحابہ کرام میں بعض ایسے بھی تھے جو ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔ اس قسم کی روایتیں صحابہ میں حضرت عثمان و تمیم الداری رضی اللہ عنہما اور عہد تابعین میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہیں۔ سلف صالحین میں تو ایسے لوگوں کی خاصی تعداد تھی جو ہر رمضان المبارک میں قرآن پاک کے ساٹھ "ختم" کرتے تھے۔ اہل علم میں سے جن کی قرآن خوانی کی رفتار اس سے کم تھی وہ ہر ماہ ایک مرتبہ قرآن مجید پورا پڑھ لیتے تھے۔ ہر دور میں ایسے قارئین بکثرت تھے جو ہر ہفتہ ایک دفعہ قرآن مجید ختم کر لیتے تھے۔

اور یہ محقق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ہر سال رمضان المبارک میں ایک دفعہ قرآن مجید کا (معارضہ) دور کرتے اور جس سال انتقال فرمایا اس سال دو دفعہ (معارضہ) دور

---

[1] ابتدائی لمبی سورتیں انفال و براءۃ تک السبع الطوال کہلاتی ہیں بعض نے البقرۃ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور یونس کو "السبع الطوال" کہا ہے۔

فرمایا۔ اور معارضہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر دَور میں سے پہلی مرتبہ ایک پڑھے اور دوسرا سُنے اور دوسری مرتبہ پڑھنے والا سُنے اور دوسرا پڑھے۔ گویا دونوں میں ہر سال دو دفعہ قرأت ہوتی تھی اور انتقال کے سال چار دفعہ ہوئی۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری سال میں تکرار معارضہ سے بھانپ لیا کہ اب ان کا وصال قریب ہے لہٰذا صحابہ کرام کو جمع کر کے آخری دفعہ قرآن سنایا۔

موجودہ قرآن کی ترتیب بلحاظ آیات وسُوَر نزول قرآن کی ترتیب نہیں ہے بلکہ اس ترتیب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آخری دورۂ قرآن کے بعد مکمل فرمایا تھا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وحی نازل ہونے کے بعد ہدایت فرماتے کہ اس حصّہ وحی کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے۔ یہی عمل آپؐ سورتوں کی ترتیب میں کرتے۔

لہٰذا جس طرح سورتوں میں آیتوں کی ترتیب توقیفی ہے اسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی۔ اس لئے کہ بغیر ترتیب کے قرآن کا سماع کیسے متصور ہو سکتا ہے جبکہ صحابہ کرام کے پاس قرآن کی اپنی اپنی یادداشتیں موجود تھیں اور ان کو یہ یادداشتیں یاد بھی تھیں اور قرآن پورے کا پورا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لکھا ہوا موجود تھا اور یہ رِقاع (چمڑے یا کپڑے کے ٹکڑوں) أکتاف (اونٹ کے شانے کی ہڈیوں) اور عُسب (کھجور کی ٹہنی کی چوڑی سطح) اور اس قسم کی دیگر چیزوں[1] پر لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحؒ نے پورا قرآن یاد رکھنے والے صحابہ میں سے انتیس (۲۹) صحابہ کا ذکر کیا ہے (الفتح ۹-۳

حضور علیہ السلام کے زمانہ میں قرآن مجید کی جملہ سورتوں اور آیتوں کو ایک مصحف میں؟ نہ کیا جا سکا اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال اور قرآن مجید کی آخری نزول کے درمیان عرصہ کم تھا۔ اور مسلسل وقفہ وقفہ سے دوران نزول وحی قرآن مجید کے ایک مصحف میں جمع کرنے کا تصور بھی نہ ہو سکتا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ قرآن کی ہر سورت، مرتب کاغذوں اور خاص صحیفوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں جماہیر جلیل القدر قراء صحابہ کی سرپرستی میں جمع کی گئی اور اس کی کتابت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (کاتب وحی) کے ہاتھ سے ہوئی اور اس میں نہایت احتیاط برتی گئی دو عادل گواہوں کی شہادت لی جاتی کہ یہ خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی جانے والی وحی

---

[1] قراطیس (کاغذ) رق (چمڑے کی جھلیاں) بھی اسی کام میں لائی جاتی تھیں۔

ہینہ نقل ہے تاکہ کتابت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے رسم خط کو برقرار رکھا جائے۔

اور یہ گواہی قرآن کریم کے نظم و ترتیب پر نہیں لی جاتی تھی کیونکہ اسے حفظ کرنے والے صحابہ
اِم کثرت سے موجود تھے اور حضرت خزیمہ والی حدیث تو وضاحت بتا رہی ہے کہ یہ شہادتیں لکھے
دئے صفحات کے بارے میں تھیں۔

جنگ یمامہ میں قراء کی ایک جماعت کی شہادت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک مصحف میں جمع قرآن
، تجویز پیش کرنے پر آمادہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پہلے پہل ہچکچاہٹ اور تردد کی وجہ
یہ تھی کہ کہیں یہ امر قرآن مجید کے حفظ کے سلسلہ کو کمزور نہ کردے اور لوگ صرف تحریر پر اعتماد کر بیٹھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کے ضبط تحریر میں لانے پر کوئی اعتراض نہ تھا بھلا
قرآن مجید کی آیت: "رسولٌ من الله يتلو صحفا مطهّرة" (سورۃ البیّنۃ آیت ۲) ۔۔۔۔۔۔
ایک رسول اللہ کا پڑھتا ہوا ورق پاک (ترجمہ شیخ الہندؒ) کی موجودگی میں اوراق میں قرآن کریم کی سورتوں
کی آیتوں کو لکھنے میں کس اشکال کا تصور ہو سکتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے تجارتی اور جہاد کے سفروں میں قرآن مجید کا کوئی حصّہ بھی اپنے ساتھ
نہ لے جاتے تھے کہ مبادا دشمن اس کی بے حرمتی کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے علاقہ
میں قرآن مجید لے جانے سے منع فرمایا تھا۔ اور اسی وجہ سے جنگ یمامہ کے (حفاظ) شہداء بھی اپنے پاس جمع
شدہ پاروں کو اپنے ساتھ نہیں لے گئے تھے۔

لکھے ہوئے اوراق سے آیات اور سورتوں کو یکجا نقل کرنے سے پہلے جب اس قسم کے حادثات بار
بار پیش آنے لگے تو مجبوراً حفاظ قرآن صحابہ کی موجودگی میں ان کی تحریر کردہ یادداشتوں سے اسے جمع
کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کرام کا رسم الخط
محفوظ رہے۔ بناء بریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ دُوربین نے یہ تجویز پیش کی اور ابوبکر صدیقؓ
اور تمام صحابہ کرام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی۔ نتیجتہً حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے خط
سے ہر سورت کی آیتوں کو خاص ورقوں میں جمہور اکابرین صحابہ کی سرپرستی میں جمع کیا گیا اور اسی
مصحف سے نقل کرکے سینکڑوں نسخے لکھے گئے۔

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور تلاوت قرآن مجید میں غلطیاں ظاہر ہونے

لگیں اور دُور دراز ملکوں میں پھیلنے لگیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہو گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع کردہ مصحف کے رسم الخط کے مطابق قرآن کے متعدد مصدقہ نسخے مختلف ممالک کو بھیج دیئے جائیں۔ لہٰذا مشہور و معروف قراء صحابہ کے زیر سرپرستی یہ نسخے تیار کرا کر بھیج دیئے گئے تاکہ ہر ملک والے اپنی تلاوت و کتابت کے لئے اس نسخے سے اپنے نسخوں کا مقابلہ کر کے ان کی غلطیاں درست کرلیں۔

کسی صحابی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا بلکہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کو نقل کرنے میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بٹایا۔ علامہ ذہبیؒ کا یہ اصرار کہ وہ اس واقعہ سے قبل وفات پا چکے تھے، محض وہم ہے۔ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی جو اپنے کتابت قرآن پر مامور نہ کئے جانے سے خفا تھے اس حکیمانہ عمل کو دیکھ کر جماعت صحابہ کے مؤیّد بن گئے اور اپنے پاس مصاحف کے بارے میں فریاد لانے والوں کو یہ جواب دیا: "إِنّ القرآن أُنزل على نبيّكم من سبعة أبواب على سبعة أحرفٍ" یعنی یہ قرآن تمہارے نبی پر سات دروازوں سے سات لغتوں پر اُترا ہے۔

اور یہی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کتاب اللہ کی کتابت کا شرف حاصل کیا جیسا کہ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کام کو سرانجام دیا تھا اور دونوں خلیفوں کے عہد میں انہی کو منتخب کیا گیا۔ تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نقلِ کتابتِ قرآن کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ناموزوں نہیں سمجھتے تھے کیونکہ وہی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسی کام پر مامور ہوئے تھے نیز دیگر کاتبین وحی کی نسبت حضرت زیدؓ کو کتابت وحی کا زیادہ موقع اور صحبت رسولؐ کا زیادہ فیض ملا تھا۔ مزید برآں ان کی جوانی، قوتِ حافظہ اور خط کی عمدگی وغیرہ کی بنا پر وہی اس کام کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھے۔

کتابت مصحف کے لئے موزوں شخص تلاش کرنے میں حضرت ابوبکر صدیق و عثمان رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق عمل کرتے ہوئے ان (زید بن ثابتؓ) کا انتخاب کیا تھا۔ کتابت قرآن کے بارے میں ان کی طویل مشق سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ پورے مصحف کی

کتابت میں ہم آہنگی رسم الخط باقی رکھ سکیں گے۔ اور یہی وہ مطلوبہ امر تھا جس کی ہر دور میں پابندی ازبس ضروری ہے۔

اس قسم کے سخت عمل کو معمر صحابہ کے ذمہ سونپنا گویا انھیں تکلیف مالا یطاق دینا تھی صحابہ کرام میں کوئی بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضل، سبقت اسلام اور معرفت علوم قرآن کا منکر نہیں تھا۔ تاہم انہیں اس موقعہ پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ناراضی کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی جبکہ وہ کوفہ میں ایک عظیم مہم میں مصروف تھے اور وہاں کے باشندوں کو قرآن اور تفقہ فی الدین کی تعلیم دے رہے تھے کوفہ سے سالوں تک دُور رہنا بھی ان تعلیمی مشاغل کے حق میں نہ تھا جن کی داغ بیل انھوں نے وہاں ڈالی تھی، ضرورت تھی کہ وہ کوفہ میں رہ کر اس کی مسلسل دیکھ بھال کرتے تاکہ ان کی مساعی جمیلہ بارآور ہوں۔

نسخ مصاحف کا یہ کام مسلسل پانچ سال ۲۵ھ سے ۳۰ھ تک جاری رہا۔ بعدازاں یہ مصاحف مختلف صدر مقامات میں بھیجدیئے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ، شام، کوفہ اور بصرہ میں بھیجے جانے والے مصاحف کے علاوہ اپنے لئے ایک مصحف اور اہل مدینہ کے لئے ایک مصحف رکھ لیا۔ یہ مصاحف مشہور معلمین قرآن قراء صحابہ کی زیر نگرانی لکھے جانے اور مقابلہ کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچے اور پوری اُمت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس گراں قدر خدمت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ پیش پیش ہیں۔ بلکہ حضرت ابو عبید کی "فضائل القرآن" میں مذکورہ روایت کے مطابق وہ فرماتے تھے: "لو ولیت لفعلت فی المصاحف الذی فعلہ عثمان (رض)" اگر میں خلیفہ ہوتا تو مصاحف کی تدوین کے لئے میں بھی وہی کرتا جو حضرت عثمانؓ نے کیا۔

الغرض آخری دورہ کی قراءات "أبعاض القرآن" ہیں۔ اور ان میں سے جن قراءات کو خط کے ذریعہ جمع کرنا ممکن ہوا انہیں مدوّنہ مصاحف میں تحریراً جمع کر دیا گیا اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کے رسم الخط میں شکل اور نقطے استعمال نہیں ہوتے تھے بلکہ الفاظ کے درمیان آنے والے الفوں کو بھی ضبط تحریر میں لانا ضروری نہ سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے لئے تحریر میں (فتبینوا) اور (فتثبتوا) نیز (منشرکم) اور (لیبیرکسم) جیسی قراءات متواترہ کو جمع کرنا ممکن ہو گیا۔ لیکن جسے جمع کرنا خط میں ممکن نہ ہوا انہیں مصاحف میں جداگانہ درج کر دیا۔ اور ان مصاحف کے عہد اوّل سے عہد آخر تک رسم خط

کی پوری کیفیت بالتفصیل مستقل کتابوں میں ملتی ہے اور اس ضمن میں سہل الحصول کتابیں أبو عمرو الدانی کی "المقنع" اور "المحکم" ہیں جو مصاحف کی رسم الخط سے متعلق متقدمین کی جملہ تالیفات کا عمدہ ملخص ہے۔

مزید برآں سینکڑوں قراء دورِ اوّل سے آج تک ان مصاحف کی عبارتوں کو لکھنے کی کیفیات جانتے چلے آئے ہیں۔ اور رسم الخط سے متعلق ہر دور میں ان کی لکھی ہوئی کتابیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

ان مصاحف میں سے سجقلی کے بیان کے مطابق ایک مصحف کوفہ ہے جو علامہ سخاوی کے زمانہ میں بمقام طرطوس، بالمقابل جزیرہ ارواد، نزد طرابلس الشام محفوظ تھا پھر حمص کے قلعہ میں منتقل کیا گیا۔ اور اس نسخہ کی نشان دہی عبد الغنی نابلسی نے اپنے ۱۱۰۰ھ کے سفر میں کی ہے۔ یہ نسخہ جنگ عظیم تک وہیں محفوظ تھا۔ بعد میں اسے حکومت کے پایۂ تخت (قسطنطنیہ) میں منتقل کیا گیا۔

عصر حاضر کے مشہور عالم شیخ عبد الحکیم افغانی دمشقی کو مصحف شامی کے وہاں سے منتقل ہونے کے اندیشہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ اس مصحف کے رسم الخط کے مطابق قرآن نقل کر لیا جائے چنانچہ انھوں نے جنگ عظیم سے قبل اپنی وفات سے چند سال پہلے اپنے ہاتھ سے قرآن پاک کا نسخہ اسی مصحف شامی کے رسم الخط کے مطابق نقل کیا اور ان کے ہاتھ کا یہ مصحف اب بھی ان کے بعض متعلقین کے پاس محفوظ ہے۔ عبد الغنی نابلسی نے "الحقیقة والمجاز" میں ان مصاحف اثریہ کو بیان کیا ہے جن کو اس نے مصر و حمص میں دیکھا تھا اور "منادمة الاطلال" (مخطوطۂ شیخ عبد القادر بدران) میں عہد اخیر میں شامی مصحف کے حالات بیان کئے ہیں۔

جہاں تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف خصوصی کا تعلق ہے جو انھوں نے اپنے لئے رکھا تھا، جو ابو عبیدؒ نے کسی لائبریری میں دیکھا تھا جیسا کہ "العقیلة" اور اس کی شروح میں ہے تو ممکن ہے کہ یہ وہی مصحف ہو جس کا ذکر مقریزی نے "الخطط" میں جامع عمرو کے مصحف اسماء کے ضمن کیا یہ وہی نسخہ ہے جس کے بارے میں عبد العزیز بن مروان نے اعلان کیا تھا کہ جو اس میں غلطی نکالے گا اسے بڑا انعام دیا جائے گا اور نتیجۃً کوفہ کے ایک قاری نے "نعجة" کے بجائے "نجعة" ایک غلطی نکالی تو اسے وہ انعام مل گیا۔ پھر یہ مصحف دیگر آثار نبویہ کے ساتھ ملک غوری کے قبہ منتقل کیا گیا۔ اور بعد میں وہیں یہ آثار قدیمہ مشہد حسینی میں منتقل ہوئے۔

علامہ شیخ بخیت نے "الکلمات الحسان" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ بہت سے فریب کار بڑی عیارت سے بعض قدیم مصاحف کو خون آلود کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ وہی مصحف ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کے پاس تھا۔ اس قسم کے کئی خون آلود مصاحف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان فریب کاروں سے انتقام لیں گے۔

رہا وہ مصحف جس کو الملک الظاہر بیبرس نے شمال میں "وولجا" اور اس کے مضافات میں مغل بادشاہ کو اسلام کی تبلیغ کے لئے ارسال کیا تھا اگرچہ اس کی ممالک میں شہرت ہوگئی ہے تاہم وہ مصحف عثمانی نہیں۔ وہ صحابہؓ کے قدیم منسوخ مصاحف میں سے تھا کیونکہ اس کا رسم الخط حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خصوصی مصحف کے رسم الخط سے مختلف تھا جیسا کہ علامہ شہاب مرجانی نے "وفیات الأسلاف وتحیات الأخلاف" میں اس کے رسم الخط کا "رائیۃ" کی قسم کی رسم الخط سے متعلق تالیفات میں مندرج تفاصیل کے مطابق، خصوصی مصحف عثمانی کے رسم الخط سے تقابلی مطالعہ کے ذریعہ اس کی تحقیق کی ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصحف بیبرس وہی ہے جو سلطنت شمالی منگولستان کے خاتمہ کے بعد سمرقند کی "مسجدِ عبیداللہ الاحرار سمرقندی" میں محفوظ تھا اور جب پچھلی صدی میں روس نے سمرقند پر قبضہ کر لیا تو اس مصحف کو یہاں سے قیصر روس کے خزانۂ کتب میں منتقل کیا گیا اور ان کے خاتمہ تک یہیں رہا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی حکومت کے زوال کے پندرہ سال بعد وہ مصحف پھر جامع سمرقند منتقل ہوگیا لیکن وہاں کے جاہل مسلمانوں نے پوشیدہ طور پر تبرک کے نام سے مختلف جگہوں سے بہت سے اوراق نکال لئے اور اس تاریخی عظیم القدر نادرۂ روزگار مصحف کو پارہ پارہ کر دیا۔

اہل فضل علماء نے اس کے بقیہ حصّہ کی عکسی تصویریں لے لیں۔ تاہم اس سے رسم الخط کے علم میں کوئی اضافہ نہیں ہوا کیونکہ یہ عام طور پر پائے جانے والے رسم الخط میں مدون تھا۔ دُور دراز کے علاقوں میں مامور قراء صحابہ نے پوری توجہ و انہماک سے قرآن مجید کی تعلیم عام کرنے اور اسے حفظ کرانے میں اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ اس کی تفاصیل سے تراجم احوال صحابہ اور اخبارِ ممالک کے موضوعات پر مشتمل تصانیف بھری پڑی ہیں۔ ہمارے بیان کی صداقت پر تاریخ دمشق لأبی زرعۃ الدمشقی، وفضائل القرآن لابن الضریس وتاریخ دمشق لابن عساکر، وطبقات القراء للذھبی وغیرہ کی قسم کی متداول کتب گواہ ہیں۔

عہد صحابہ میں وسعت ممالک مفتوحہ اور ان کے باشندوں کے تعلیم قرآن میں انہماک و اہتمام کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی ممالک میں مصاحف کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہ تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو قرآن کریم حفظ کرنے والوں کو بیت المال سے وظائف جاری کر دیئے تھے حتیٰ کہ خود انھیں اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ صرف حفظ میں مشغول ہو کر قرآن میں تفقہ سے غافل نہ ہو جائیں۔ حضرات عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان صحابہ میں سے تھے، جو حفظ قرآن اور تفقہ فی القرآن دونوں سعادتوں کے جامع تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کوفہ میں قرآن و تفقہ فی القرآن حاصل کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ جس کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ بنی امیہ کے خلاف عبدالرحمٰن بن اشعث کے ساتھ جو لوگ شامل تھے ان میں چار ہزار کی تعداد صرف قراء تابعین کی تھی جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کے حلقے بناتے اور حلقہ کا ایک نگران مقرر فرماتے اور ان سب کی حفظ و تعلیم قرآن کے سلسلہ میں وہ نگرانی کرتے۔ ہر روز جامع بصرہ میں طلوع آفتاب سے ظہر تک یہ ان کا معمول ہوتا۔ بعینہٖ یہی طریق کار جامع دمشق میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا تھا حتیٰ کہ انھوں نے شام ہی میں وفات پائی۔ حفظ و تعلیم قرآن کے سلسلہ میں ان جملہ مساعی کا احصاء اس مقالہ میں ممکن نہیں۔

اور جو قراءات بطریق احاد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا بعض صحابہؓ یا تابعین کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ان کا قرآن سے بالکل تعلق نہیں بلکہ یا تو تفسیری اضافہ ہو سکتی ہیں جو تعلیم قرآن کے دوران استاد سے سنا گیا ہو اور قراءات میں شمار کر لیا گیا ہو یا پھر قاری کی زبان سے سہو ہوا اور سننے والے نے اسے قرأت سمجھ لیا ہو۔ سہو کے متعلق حضرت مالک بن انس نے مشورۃً حضرت نافع قاری کو قوم کی امامت سے منع کرتے ہوئے کہا تھا: "چونکہ تم نے قراءات میں مہارت حاصل کر لی ہے۔ اگر تمہیں اثناء نماز میں سہو ہو گیا تو لوگ اسے بھی قراءت سمجھ کر روایت کرنے لگیں گے۔"

ان قراءات شاذہ کو علماء نے مخصوص کتب میں جمع کیا ہے ان میں سے بعض بطور تفسیر ہیں یا بعض سہو کے سوا کچھ نہیں۔ بعض قراءات جھوٹی اور بے بنیاد سندوں سے روایت کی جاتی ہیں۔ ج[illegible] یہ ہے کہ ان کو قراءات میں شمار ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ حضرت ابو عبیدؒ فضائل القرآن میں ع[illegible]

ثمان رضی اللہ عنہ میں جماہیر صحابہ کے زیر نگرانی جمع شدہ مصحف کے متعلق فرماتے ہیں: "اور جو شخص س میں سے کسی چیز کا انکار کر دے تو اس کے خلاف مرتد جیسا سلوک ہوگا کہ توبہ کے بغیر اس کے لئے قتل ہے" پھر شواذ قراءات اور غیر متواتر الفاظ کے متعلق فرماتے ہیں: "یہ حروف اور اس سے مشابہ بہت سی چیزیں قرآن مجید کی تفسیر بن گئے ہیں اس قسم کی روایات جب بعض تابعین سے بطور تفسیر بیان ہوتیں تو انہیں پسند کیا جاتا تھا چہ جائیکہ جب وہ کبار صحابہؓ سے مروی ہوں۔ بالآخر یہ قراءت کا جزء بن گئیں اور اب وہ تفسیر سے زیادہ اور قوی تر ہیں۔ ان سے صحت تاویل کی معرفت میں سہولت ہو جاتی ہے۔ تاہم یہ ایسا علم ہے کہ اس کی فضیلت صرف علماء ہی جانتے ہیں۔

حضرات عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے جو الفاظ قراءات متواترہ کے خلاف مروی ہیں ظاہر ہے کہ وہ بھی سابقہ بیان کے بموجب تفسیر ہی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کی قراءت ان کے کوفی اصحاب کے ذریعہ متواتر پہنچی ہے اور اس کو عاصم نے زر بن حبیش رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا اور یہ وہی ہے جس کو ابوبکر بن عیاش، عاصم سے روایت کرتے ہیں اور اس کا تواتر مسلم ہے اور اس میں وہ الفاظ شاذہ نہیں ہیں لہذا جو یہ خیال کرے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں فاتحہ اور معوذتین (قرآن مجید کی آخری دو سورتیں) نہ تھیں۔ یا یہ کہ وہ معوذتین کو مٹا دیا کرتے تھے، وہ یا تو بالقصد دروغ بیانی کر رہا ہے یا پھر وہم میں مبتلا ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کے اصحاب کے ذریعہ مروی قراءت متواترہ میں معوذتین اور فاتحہ موجود ہیں۔ اور اس کی قراءت عاصم ہی کی قراءت ہے جسے دنیائے اسلام کے مسلمان ہر وقت مشرق و مغرب میں سنتے ہیں۔ تو روایت متواترہ کے مقابلہ میں خبر آحاد کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔

چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے عہد میں عامۃ المسلمین فاتحہ اور معوذتین کو بخوقتہ نمازوں اور اوراد کے لئے از بر کئے ہوئے تھے لہذا انھیں بھلانے کا اندیشہ نہ ہونے کی بنا پر انھوں نے ان سورتوں کو ضبط تحریر میں لانے کی حاجت نہ سمجھی ہو، یا یہ کہ انھوں نے اپنے پسندیدہ طریقہ کے مطابق کہ قرآن میں سے غیر قرآنی علامات و کلمات خارج کر دیئے جائیں۔ انھوں نے صرف معوذتین کے ناموں کو مٹا دیا ہو اور اصل معوذتین باقی رکھی ہوں۔ علامہ ابن حزم نے اس موضوع پر باتیں بنانے والوں کی

اپنی بہت سی تصانیف میں خوب خبر لی ہے۔

الغرض امت نے زمانہ نزول سے آج تک اور تاقیامت قرآن کی حفاظت کا جو اہتمام کیا ہے وہ کسی غلطی پیدا کرنے والے یادہی کو باقی نہ رہنے دے گا۔ یہ ایک طبعی امر ہے کہ تمام انسانوں میں حفظ اور علم وفہم کی ایک جیسی صلاحیت نہیں ہوتی۔ پس جماہیر کے حفظ و ضبط کے سامنے اغلاط و اوہام ہر دَور میں نیست ونابود ہوتے رہے ہیں۔ ماضی قریب میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ مستشرقین مُسلم علماء متقدمین کی قرآن کریم اور اس کے علوم مثلاً قراءت، رسم الخط، شواذ القراءات اور کتب طبقات سے متعلق مؤلفات ہی نہیں بلکہ حدیث، فقہ اور لغت، نیز دیگر مشرقی علوم سے متعلق تصانیف بھی شائع کر رہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد نئے انداز میں صلیبی عہد کو تازہ کر کے تعصب و جہل سے بھرپور حملوں کے ذریعہ اس نور کو ختم کرنا ہے جو اس تاریک کرۂ ارض پر قرآن مجید کے ذریعہ پھیلا اور جس نے دنیا کی عقل وبصیرت کو تابناکی بخشی اور لوگ جوق در جوق دین اللہ میں داخل ہوئے اور یہ عالم دگرگوں ہوگیا۔ اس گروہ کی غرض وغایت بالکل واضح ہے خواہ جھوٹ اور فریب سے یہ لوگ ظاہر کرتے رہیں کہ وہ غیر جانبدار اور بے لوث علمی تحقیقی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس سرسری مقالہ سے تاریخ القرآن کے سلسلہ میں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ان مستشرقین کی یہ کوششیں ناکام ہیں۔ یہ لوگ دنیا کو بالا کر ڈالیں پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منزل کتاب کی عظمت وصحت کا بال بیکا بھی نہ کر سکتے۔ اگر ازہر شریف کے ارباب حل وعقد اس قسم کی کتابوں کے نشر کرنے اور ان پر مناسب حاشیہ لکھنے کا اہتمام کرلیں تو اس قسم کے مکاروں پر تمام دروازے بند ہوجائیں گے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز ۞